جناب مرزا نظام الدین بیگ

کیا فیضی اور ابوالفضل بے دین تھے؟

(۲)

ابوالفضل

فیضی کی طرح ابوالفضل بھی یگانۂ روزگار علمی اور ذہنی صلاحیتوں کا انسان تھا اور انہی نظریات اور معتقدات کا حامل تھا جو اس کے بڑے بھائی فیضی کے تھے۔ اس کے متعلق بھی کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ دینِ اسلام ترک کر چکا تھا اور ملحد ہو گیا تھا۔ اس کی اپنی تحریریں خود اس خیال کی تغلیط کرتی ہیں۔ اگرچہ اپنی بعض تحریروں سے گرفت میں آتا ہے جس کی وضاحت میں آگے کروں گا۔ بہرحال، اس کے معتقدات کو خود اس کی تحریروں میں دیکھنا چاہیے تاکہ اس کے عقائد کا صحیح علم ہو سکے۔ اس کی تصانیف کو دیکھ کر یہ خیال ہوتا ہے کہ فیضی کی طرح وہ بھی ایک مدت تک حقیقتِ ازلی کی تلاش میں یقین و تشکیک کی کشمکش میں مبتلا رہا اور وادیٔ لا میں بھٹکتا رہا۔

انشائے ابوالفضل کا تیسرا دفتر اس کی ان تقریظوں پر مشتمل ہے جو اس نے دوران مطالعۂ مختلف کتب سے اپنی پسند کا انتخاب مرتب کرکے ان پر شروع یا اخیر میں لکھی ہیں اور ان کو دیکھنے سے اس کی ذہنی کشمکش کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔ ایک جگہ لکھتا ہے: "ای ابوالفضل! شرمی از خود بدار کہ از عبد الٰہی بعبد العلمی آمدی و از انجا افتان و خیزان بعبد الطبعی" (اے ابوالفضل! خود سے شرم کر کہ اللہ کے بندے سے علم کا بندہ بن گیا اور وہاں سے گرتا پڑتا مادّیت کا بندہ ہو گیا۔) ایک جگہ مشیتِ ایزدی کے سامنے خود کو بے بس سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتا ہے: "نمی دانم کہ چہ کردہ ام کہ مستوجب آن شدہ ام کہ از عبد الٰہی بعبد الطبعی آوردی، اگرچہ وثوق بر جلائل آلای تو درجۂ اعلیٰ است امابہ آستان کریمی تو دریوزہ می نمایم کہ از عبد اللٰہی بعبد الداہمی والدنیا نیاری۔ چندگاہ است کہ فطرت باطبیعتِ من در نبرد است و در کشمکش ابنائی زمانہ افتادہ ام۔ نہ قوتِ گریز و نہ قوتِ پرہیز:

صبری نہ کہ از عشق بپرہیزم من　　بختی نہ کہ با دوست درآمیزم من
دستی نہ کہ با قضا درآویزم من　　پائی نہ کہ از میانہ بگریزم من

(مجھے نہیں معلوم کہ میں نے کیا کیا ہے کہ اس کا سزاوار ہو گیا ہوں کہ بندۂ اللہ سے مادیّت کا بندہ تو نے بنا دیا۔ اگرچہ تیری مہربانی کی بزرگیوں پر انتہائی بھروسا ہے لیکن تیری کریمی کے آستانے پر التجا کرتا ہوں کہ اللہ کے بندے سے دنیاوی مال و دولت کا بندہ نہ بنا۔ کچھ عرصے سے عقل میری طبیعت سے جنگ کر رہی ہے اور میں دنیا والوں کی کشمکش میں پھنس گیا ہوں۔ نہ گریز کی طاقت ہے نہ پرہیز کا یارا)

ذخیرۃ الخوانین کا مؤلف شیخ فرید بھکری ابوالفضل کے بارے میں لکھتا ہے: "و مظہر جلائل اخلاص و شریف اوصاف و کمالات کسبی و وہبی او از حدِ حصر بیرون است، روزگار را بہ وجود او افتخار بود۔ ... و صاحب نفس قدسی و ملکات ملکی بود"[1] ایک خط جو ابوالفضل نے قاضی عبدالستار کو لکھا ہے، اس میں اپنے دلی جذبات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے: "باوجود مشغلۂ دنیا و تقید آمد و رفت دربار و پرستاری شہریار و بار واز دحام رجوعات خلق اللہ و خدماتِ ضیع و شریف و وابستگی تعلقات و لواحقات عالم فانی و سرائی ظلمانی و عوارضات جسمانی و تنبیسات شیطانی و تموجاتِ طوفانی اصلاً و قطعاً طیلسان تعب حق جل سبحانہٗ از دوش نکشیدہ و شربتِ غفلت بکام سہولت نچشیدہ بلکہ بچشم خیال ندیدہ و بگوشِ تصوّر نشنیدہ ..... از مطالعۂ کتب ہدایت نمائی شریعت آرا حقیقت افزا غافل و زاہل نہ نشستہ و بوسع امکان سعادت درسِ علم و حقائق اسرا و تعلیم رسائل حکمت و تصوف از دست ندادہ ..... و خلاصۂ وقت را بتلاوتِ قرآن مجید و فرقانِ حمید بسر بردہ شب بیداری و سحر خیزی را بخود از جملہ اوراد و عادات قرار دادہ و ابوابِ عبودیت حق تعالیٰ بر روئ دل کشادہ"[2] ایک خط شیخ نظام پانی پتی کو لکھا ہے جو حج کے لیے گئے ہوئے تھے۔ ان سے درخواست کی ہے کہ جب وہ بیت الحرام کی زمین بوسی کریں اور روضۂ نبوی کی زیارت سے مشرف ہوں تو اس نارسا کو بھی یاد رکھیں۔ اس کے بعد یہ شعر لکھتے ہیں:

اے مرغِ شاخسار عنایت کہ دم بدم　　از روی اصطفا رسدت نکہتِ وصال
خوش می پری بلند فراموشیت مباد　　از حالِ ما کہ بستہ پریم و شکستہ بال

---

[1] مطبوعہ ڈاکٹر معین الحق ص ۶۷　　[2] بحوالہ رُدِ کوثر، ص

اس کے بعد حج بیت اللہ اور روضۂ نبوی کی زیارت کی خواہش اور تڑپ کا اظہار کرتے ہوئے جو قطعہ درج کیا ہے وہ اس کے شدتِ خلوص اور عشقِ رسولؐ کی شہادت دے رہا ہے :

کی بود یارب کہ رو در یثرب و بطحا کنم — گہ بمکہ منزل و گہ در مدینہ جا کنم
بر کنارِ زمزم از دل برکشم یک زمزمہ — وز دو چشمِ خون فشان آن چشمہ را دریا کنم
یا رسول اللہ بسوئے خود مرا راہی نما — تا ز فرقِ خود قدم سازم ز دیدہ پا کنم

ابوالفضل فیضی سے عمر میں چھوٹا تھا لیکن اس کی طبیعت فیضی کے مقابلے میں زیادہ متوازن تھی اس نے کئی خط فیضی کو لکھے ہیں جو رقعاتِ ابوالفضل میں موجود ہیں۔ ان تمام خطوط میں غالب عنصر پند و نصیحت کا ہے جس سے ابوالفضل کے عقائد کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ایک جگہ یادِ خدا کی تلقین کرتے ہوئے فیضی کو لکھتا ہے "در خلا و ملا نام حضرت بے چون و چرا بر زبان می راندہ باشند کہ مقصود از آفرینشِ عالم و آدم ہمیں است کہ او را بشناسند و فراموشی را شعار خود نسازند

ہر آن کہ غافل از وی یک زمان است — در آن دم کافر است، اما نہان است
اگر آن غافلی پیوستہ بودی — درِ اسلام بروی بستہ بودی

جو شخص اپنے بڑے بھائی کو نماز پنج گانہ اور گناہوں سے اجتناب کی تلقین کرتا ہو، یہ بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ کتنا سلیم الطبع انسان ہوگا۔ فیضی کو لکھتا ہے "عزیزِ من معرفتِ الٰہی امرات قلب خود دانستہ پنج وقت نماز ادا می نمودہ باشند و از گناہان صغیرہ و کبیرہ اجتناب فرمایند و از جمیع مناہی خود را کنار کشیدہ ثابت می بودہ باشند" یہ تلقین کسی اور کو نہیں کر رہا ہے بلکہ اپنے بڑے بھائی کو کی ہے۔ لہٰذا کسی مصلحت یا منافقت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ابوالفضل کے ان جملوں سے ایک بات اور آشکارہ ہوتی ہے کہ وہ اسلام کے بنیادی اور اہم ترین احکامات کا یقیناً پابند تھا اور فیضی چونکہ شاعر تھا لہٰذا فطرتاً ان کی پابندی سے غفلت برتتا ہوگا، جب ہی تو ابوالفضل نے نماز پنج گانہ اور گناہ صغیرہ و کبیرہ سے اجتناب کی تلقین کی ہے۔ ابوالفضل صلح کل کے مشرب پر گامزن تھا اور بلا تخصیص ہر ایک سے نیک سلوک کرنے کا عادی تھا۔ اس سلسلے میں فیضی کو لکھتا ہے : عزیزِ من بہر صنفی از اجتناب انسان بنوع باید سلوک نمود کہ او را ہمچنان مقرر گردد کہ ایں از منست و با منست و یا در منست" ملاحظہ کیجیے۔ دشمن کے ساتھ سلوک کے متعلق اس کے کیسے عالی خیالات تھے۔ فیضی کو لکھتا

ہے: "اگر احیاناً از دشمن بدی رسد کہ ضررِ جان درو باشد در قصور آن فی الفور تصدیع نرسانند تا جان دارند بادی سازش فرمایند و اگر آن ہم نتوان نمود ناگزیرش بغضب شیطان وحوادث دوران حوالت نمایند" (اتفاقاً اگر دشمن سے برائی سرزد ہو جس میں جان کو نقصان پہنچتا ہو، اس کے قصور میں فوری طور پر جوابی کاروائی نہ کریں جب تک دم ہے اس کے ساتھ موافقت فرمائیں اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو ناچار اُسے شیطان کے غضب اور حوادثِ زمانہ کے حوالے کر دیں۔) کون کہہ سکتا ہے کہ اس کردار کا حامل مسلمان نہیں ہو سکتا؟ کیا یہ مومن کی ایک بلند صفت نہیں؟ اس کے علاوہ اور کیا پہچان ہو سکتی ہے صحیح مسلمان کی؟ واضح رہے یہ تمام باتیں اس نے فیضی کو لکھی ہیں جس میں کسی مصلحت کا کوئی دخل نفسیاتی طور پر قابلِ قیاس نہیں ہو سکتا۔ ان باتوں پر وہ خود عامل تھا۔ جب ہی فیضی کو لکھ رہا ہے۔ اس کا مُلّا بدایونی کے ساتھ سلوک اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ اس کا عمل ہر ایک کے ساتھ نیکی کرنا تھا۔ خود مُلّا نے فیضی کے سلسلے میں اس کا اعتراف کیا ہے لیکن ساتھ ہی بڑی خوبصورت تاویل بھی پیش کی ہے۔ بدایونی لکھتا ہے: اگر کسی گوید کہ از جانب او چندین خواہش و چندین اخلاص بود۔ در برابر آن ایں ہمہ مذمت و درشتی کدام آئین مروت و وفاست ...... چہ توان کرد کہ حق دین و حفظ عہد آن بالاتر از ہمہ حقوق است: والحب للہ والبغض للہ۔

شیخ فرید بھکری "ذخیرۃ الخوانین" میں ابوالفضل کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"دشنام و ناسزا بر زبان نمی راند ...... و این لفظ یادگیر داشت۔ آہ سرد می آورد دست بر زانوی زد کہ آہ چہ باید کرد ...... و شب ہا خفیہ درخانہ ہر درویشی رفتہ، نذر و نیاز از اشرفی ہا می گزرانید والتماس می کرد کہ برائی سلامی ایمان ابوالفضل دعا بکنید[۴۰]"

(گالی اور نامناسب لفظ زبان پر کبھی نہ لاتا ...... اور یہ لفظ اس کا تکیۂ کلام تھا۔ سرد آہ بھر کر ہاتھ زانو پر مار کر کہتا کہ آہ کیا کروں۔ راتوں کو چھپ کر ہر ایک خدا رسیدہ بزرگ کے مکان پر جاتا۔ اشرفیاں ان کے حضور میں پیش کرتا اور ان سے درخواست کرتا کہ ابوالفضل کی سلامتی ایمان کی دعا کریں۔)

---

[۳۹] منتخب التواریخ، ج ۳، قلمی نسخہ قومی عجائب گھر کراچی۔ [۴۰] مطبوعہ، ص ۴۷

شیخ فرید بھکری نے ابوالفضل کے بارے میں شاہ ابوالمعالی قادری کا ایک خواب نقل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "نقل است کہ روزی عارف حقانی محبوب درگاہ سبحانی مقبول بارگاہ موالی میاں شاہ ابوالمعالی قادری مرید و فرزند حضرت شاہ داؤد لاہوری می فرمودند کہ من از کارہائی بد شیخ ابوالفضل انکار داشتم۔ شبی در خواب می بینم کہ در مجلس سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام، شیخ ابوالفضل را بہ اقبح وجہی حاضر آوردند۔ آنحضرتؐ می فرمایند کہ این مرد در حیات چند روز مرتکب افعال کریہ شدہ، اما فضل حق را پایانی نیست، این مناجات سبب نجات اعمال سیہ او گردیدہ کہ مطلعش اینست کہ الٰہی نیکاں را بہ وسیلۂ نیکی سرفرازی بخشی و بدان را بہ مقتضائی کرم خود دلنوازی کنی۔ حضرت سرور عالمؐ جبۂ مبارک را بر ردائی شیخ انداختہ در مجلس نشاندند۔ رویائی میاں شاہ ابوالمعالی را حمل بر کذب نمی توان نمود و بر فضل الٰہی ہم تعجب نباید کرد۔[۵]" نقل ہے کہ ایک روز عارف حقانی محبوب درگاہ سبحانی دوستوں کی بارگاہ کے مقبول میاں شاہ ابوالمعالی قادری مرید و فرزند حضرت شاہ داؤد لاہوری فرماتے تھے کہ مجھے ابوالفضل کے بُرے کاموں سے انکار ہے۔ ایک رات خواب میں دیکھتا ہوں کہ سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں شیخ ابوالفضل کو نہایت قبیح شکل میں حاضر کیا گیا۔ آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ یہ شخص چند دنوں کی زندگی میں بُرے افعال کا مرتکب ہوا لیکن اللہ کے فضل کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ یہ مناجات اس کے سیہ اعمال کی نجات کا سبب بن گئی جس کا مطلع یہ ہے کہ "الٰہی نیکوں کو نیکی کے وسیلے سے تو سرفرازی بخشتا ہے اور بُروں کے ساتھ اپنے کرم کے تقاضے کی وجہ سے دلنوازی کرتا ہے"۔ حضرت سرور عالمؐ نے اپنا پیراہن مبارک شیخ کی اوڑھی ہوئی چادر پر ڈالتے ہوئے مجلس میں بیٹھا لیا۔ میاں شاہ ابوالمعالی کے خواب کو جھوٹ پر محمول نہیں کیا جا سکتا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے بھی تعجب نہیں کرنا چاہیے۔

ابوالفضل کے بارے میں ایک اور دلچسپ انکشاف شیخ فرید نے کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں "چون حضرت عرش آشیانی (اکبر) با اہل ہند سلوک از روئی مہربانی می کردو پاس خاطر قوم راجپوت را از ہمہ ارجح و ارفع می نمود شیخ نتوانست عنان اختیار حضرت را گرفت و معاملہ بجائی رسید کہ مشہور عالمیانست۔ آوردہ اند کہ شاہزادہ سلطان سلیم بحال شیخ توجہ نداشتند، روزی

---

[۵] مطبوعہ، ص ۶۷

درون خانۂ شیخ درآمدہ چہل نفر کاتب را با اجزائی قرآن و تفاسیر گرفتہ بنظر حضرت گذرانیدند۔ حضرت فرمودند کہ ما را بر دینِ ہنود ترغیب کردہ خود بمذہب اہلِ اسلام ثابت قدم ماند۔ در قرب و حالت شیخ فتوری رو داد ایشان را بدکن فرستادند[۵۶]" (چوں کہ حضرت عرش آشیانی (اکبر) اہلِ ہند کے ساتھ از روئے مہربانی سلوک کیا کرتے تھے اور راجپوت قوم کی دلداری کو سب پر فوقیت دیتے تھے۔ شیخ، حضرت کی عنانِ اختیار نہ روک سکا اور معاملہ یہاں تک پہنچا جو لوگوں میں مشہور ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ شاہزادہ سلطان سلیم، شیخ کی طرف ملطفت نہ تھا۔ ایک دن شیخ کے مکان میں آکر چالیس کاتبوں کو قرآن اور تفاسیر کے اجزا (کتابت شدہ) کے ساتھ پکڑ کر لے گیا اور حضرت کے سامنے پیش کر دیا۔ حضرت نے فرمایا کہ ہم کو ہندو مذہب کی ترغیب دلاکر خود اہلِ اسلام کے مذہب پر ثابت قدم رہا۔ شیخ کے تقرب اور اس کی حالت میں فتور نمایاں ہوا۔ اس کو دکن بھیج دیا گیا۔) ابوالفضل کے دکن جانے کی وجہ دراصل یہ تھی کہ اکبر اس بات پر ناراض ہو گیا تھا اور ابوالفضل پر گویا عتاب نازل ہوا، اس کے بعد اس کی لاش ہی اکبر کے پاس پہنچی تھی۔

جہانگیر نے اپنی تزک میں ابوالفضل کے بارے میں لکھا ہے کہ اس نے اکبر کے دل میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ قرآن پاک رسولِ اکرمؐ کا اپنا کلام ہے لیکن شیخ فرید کے مندرجہ بالا بیان سے ابوالفضل کے بارے میں یہ خیال غلط ثابت ہوتا ہے۔ اگر یہ بات درست ہوتی اور ابوالفضل قرآن مجید کا منکر ہوتا تو ملا بدایونی یقیناً اس کا ذکر کرتے۔ جہانگیر اور ابوالفضل کی عداوت کی وجہ ابوالفضل کے مذہبی خیالات نہ تھے، بلکہ اس کی وجہ ملکی سیاست تھی۔ ۱۰۰۶ھ میں ترکستان کے حکمران عبداللہ ازبک کے مرنے کے بعد اکبر کو اپنے آبائی وطن کا علاقہ فتح کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ ابوالفضل چوں کہ اس کا وزیر اعظم اور مشیر خاص تھا اس مقصد کے لیے اس نے شاہزادہ سلیم کا نام بادشاہ کو پیش کیا اور بدخشان کی مہم کے لیے اکبر نے سلیم کا انتخاب کر لیا لیکن شاہزادے نے کوئی عذر پیش کر کے اپنی گلو خلاصی کر لی کیونکہ وہ اس دشوار گزار مہم پر جانے سے خائف تھا۔

---

۵۶ ذخیرۃ الخوانین مطبوعہ۔ ص ۲۷

اس تجویز میں ابوالفضل کی نیت میں کوئی فتور نہ تھا بلکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ سلیم جو ولی عہد تھا اس دشوار مہم میں تجربات حاصل کر سکے لیکن شاہزادہ سلیم نے اس کو دشمنی پر محمول کیا اور اس کو یقین ہو گیا کہ ابوالفضل اس کے خلاف سازش کر رہا ہے۔

جیساکہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ابوالفضل اپنی بعض تحریروں کی وجہ سے گرفت میں آتا ہے۔ خاص طور سے اس کا وہ دیباچہ جو مہابھارت کے ترجمے پر اس نے لکھا ہے اور جسے ملّا بدایونی نے دیگر تین علما کے اشتراک سے سنسکرت سے فارسی زبان میں کیا تھا۔ اس دیباچے میں متعدد مقامات پر وہ گرفت میں آتا ہے۔ اس کے خیالات میں اس تضاد کی دو وجہ معلوم ہوتی ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جو کچھ اس کی تحریروں میں شریعتِ اسلامی کے خلاف مواد ملتا ہے اس عہد کا ہے جب وہ فکری طور پر تشکیک کی منزل سے گزر رہا ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ چوں کہ وہ شاہی دربار سے وابستہ تھا لہٰذا اس وابستگی کی خاطر اسے اپنے ضمیر کے خلاف بھی کرنا پڑتا ہوگا۔ اکبر جب علما کے اثر سے آزاد ہوا تو اپنے تلخ مشاہدات اور تجربات کی وجہ سے شدید ردّ عمل کے سیلاب میں بہہ گیا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے موقع پرست علما نے جو کسی نہ کسی صورت دربار سے وابستہ رہے، خوشامد اور تملق کے ذریعہ اسے گمراہ کرنے کی طرح طرح سے کوشش شروع کی۔ جس کی تفصیل تاریخوں میں بھری پڑی ہے۔ چنانچہ تاریخی شواہد کے تحت یہ بات بین طور پر کہی جا سکتی ہے کہ ابوالفضل بھی اس جرم میں شریک تھا۔ لیکن بطور مناقب کے نہیں بلکہ اپنی ذہنی گمشدگی کی وجہ سے۔ چنانچہ جب مشرف بہ نورِ ایمانی ہوا تو "رقعاتِ ابوالفضل" میں فیضی کو لکھتا ہے۔ "واحکام بادشاہی کہ بشرع محمدی متفق نہ یند ازاں اجتناب تمام فرمایند و تا توانند در رفع و دفع آن کوشش مالا کلام بکار برند و بنوعی مطالبِ خلائق را بعرض اشرف رسانند کہ دراں صوبہ حبۂ فروگذاشت نہ شود و مہمات در کار خلق نیز باحسن وجوہ ساختہ کرد وجہ قصوری و فتوری در طرفین راہ نیابد آن بوسیلۂ خدا ترسی و آن بہ صیغہ نمک حلالی" (اور شاہی احکام جو شرع محمدی سے متفق نہ ہوں اس سے مکمل پرہیز فرمائیں اور جہاں تک ہو سکے اس کے رفع دفع کرنے میں ایسی کوشش کریں جس میں کسی کو کلام نہ ہو اور لوگوں کی کیفیت کا اس طرح عرض اشرف (بادشاہ کے حضور میں) میں پہنچائیں کہ اس نیکی میں رتی بھر کمی نہ ہو۔ اور

مخلوق کی ضروریات کے کارہائے ضروری بھی نہایت اچھے طریقے سے طے پا جائیں تاکہ کوئی کوتاہی اور خرابی دونوں طرف راہ نہ پا سکے۔ وہ خدا ترسی کے وسیلہ سے اور یہ نمک حلالی کے طریقے سے۔)

اسی طرح اپنے ایک خط میں تاریخِ سندھ کے مصنف شیخ معصوم بھکری کو لکھتا ہے: "من کہ ملازمت شاہی را برخود لازم داشتہ ام و کمر خدمت بر میان جان بستہ ام نہ برائے رفاہیت نفس شوم خود بلکہ بجہت و دل جوئی و خیر خواہی طوائف انام خدمت ملوک اختیار نمودہ ام۔ واللہ خدا آگاہ است و فرشتگان گواہ اند کہ نان فقر و جامۂ درویشی و گوشہ نشینی و زاویہ گزینی را از محصولِ تمام عالم بہتر می دانم و بودن حجرۂ خانقاہ و مطالعۂ صفحۂ کتب دینی و رسائل یقینی را بخراج مملکت نمی دہم۔" (میں نے جو شاہی ملازمت اپنے لیے ضروری سمجھی ہے اور خدمت کی کمر جان کی کمر پر باندھی ہے اپنے بدبخت نفس کی بھلائی کے لیے نہیں بلکہ خلق اللہ کی خیر خواہی اور دل جوئی کے لیے بادشاہوں کی خدمت اختیار کی ہے۔ واللہ خدا جانتا ہے اور فرشتے گواہ ہیں کہ نان فقر اور جامۂ درویشی اور گوشہ نشینی اور تخلیہ پسندی کو تمام دنیا کے حصول سے بہتر سمجھتا ہوں اور خانقاہ کے حجرے میں رہنے کو اور دینی کتابوں اور ایمانی رسائل کے صفحہ کے مطالعہ کو مملکت کے خراج کے عوض نہیں دیتا۔) ابوالفضل کے اس بیان میں کوئی شبہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس نے شاہی ملازمت خلق اللہ کی خدمت کے لیے کی تھی اپنے نفس کی آسودگی کے لیے نہیں۔ اگر مال و دولت کی فراہمی اس کا مطمع نظر ہوتا تو یقیناً وہ دولت جمع کرنے کی فکر کرتا اور مُلّا بدایونی جو اس کا شدید مخالف تھا یقینی اس کا ذکر کرتا۔

متذکرہ تاریخی شہادتوں کی روشنی میں یہ بات بآسانی سمجھ میں آجاتی ہے کہ ابوالفضل مُرتد نہیں تھا بلکہ ایک سچا مسلمان تھا۔ اس کے ارتداد اور بے دینی کا قصہ محض افترا پردازی ہے۔ مُلّا بدایونی کے علاوہ کوئی معاصر تذکرہ یہ ذکر نہیں کرتا۔ اب رہ جاتا ہے "مبلغ الرجال" کے مصنّف کا بیان ابوالفضل کے عقاید کے بارے میں کہ وہ زندیقوں اور ملحدوں کا امام تھا غور طلب ضرور ہے، لیکن درخور اعتنا نہیں۔ اس کتاب کا ذکر پروفیسر محمد اسلم نے اپنی کتاب "دینِ الٰہی اور اس کا پس منظر میں" کیا ہے اور شیخ مبارک اور ابوالفضل کے سلسلے میں اس سے استفادہ کیا ہے۔ مبلغ الرجال کے مصنف حضرت خواجہ باقی باللہ کے فرزند خواجہ عبید اللہ تھے۔ خواجہ

عبید اللہ کا ابھی عالمِ شیر خوارگی ہی تھا کہ ان کے والد حضرت خواجہ باقی باللہ کا انتقال ہو گیا۔ ان کی وفات کے بعد خواجہ عبید اللہ کی پرورش حضرت خواجہ باقی باللہ کے خلیفۂ اول خواجہ حسام الدین نے کی۔ خواجہ حسام الدین کی اہلیہ شیخ مبارک کی بیٹی اور ابوالفضل کی بہن تھیں۔ لہٰذا خواجہ عبید اللہ نے اپنی کتاب میں جو کچھ شیخ مبارک اور ابوالفضل کے بارے میں لکھا ہے وہ سب سنی ہوئی باتیں ہیں اور راوی خواجہ حسام الدین کی بیوی اور شیخ مبارک کی بیٹی ہیں۔ ہو سکتا ہے جو کچھ اس خاتون نے اپنے باپ اور بھائی کے لیے کہا ہو بادی النظر میں درست ہو کیوں کہ یہ دونوں باپ بیٹے آزاد خیال تھے اور مذہب کے مقابلے میں نیا زاویۂ نگاہ رکھتے تھے۔ لیکن حقیقت یہ نہیں ہے۔ پہلی چیز تو یہ ہے کہ اگر شیخ مبارک بقول صاحب مبلغ الرجال "مشربِ اباحت"[۵۷] پر گامزن ہوتا تو اس کی لڑکی کی شادی خواجہ حسام الدین سے نہ ہوتی کیونکہ وہ خواجہ باقی باللہ کے خلیفۂ اوّل تھے اور طریقت کے نقشبندیہ سلسلے میں ایک بلند مقام رکھتے تھے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اگر شیخ مبارک مشربِ اباحت پر اعتقاد رکھتا یا بقول پروفیسر محمد اسلم اسمٰعیلی نظریے کا مبلغ ہوتا تو شیخ یعقوب صرفی جیسا متقی اور بلند پایہ صوفی بزرگ اس کے بارے میں اتنی اچھی رائے نہ رکھتا جس کا اقتباس میں فیضی کی تفسیر سواطع الالہام کے سلسلے میں پیش کر چکا ہوں۔ اس رائے کے بعد اس سلسلے میں مزید کچھ کہنے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ لہٰذا مبلغ الرجال کی تاریخی سند مشتبہ ہے۔ دربارِ اکبری میں شیخ ابوالفضل کی باریابی کے سلسلے میں بدایونی نے لکھا ہے:

"انہی دنوں (۹۸۲ھ) شیخ ابوالفضل ولد شیخ مبارک ناگوری، جسے علامی بھی لکھا جاتا ہے اور اسی نے بے دینی کا یہ سارا ہنگامہ برپا کیا تھا، بارگاہِ شاہی میں حاضر ہوا۔ باریابی کے وقت اس نے آیۃ الکرسی کی تفسیر پیش کی جس میں بہت سے قرآنی رموز و نکات درج تھے۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ تفسیر دراصل اس کے والد کی لکھی ہوئی تھی۔ بادشاہ نے اس تفسیر کو پسند فرمایا۔ اس کی تاریخ "تفسیرِ اکبری" نکالی گئی۔ بادشاہ نے متکبر اور مغرور ملاؤں کی سرکوبی کی توقع مجھ سے لگا رکھی تھی۔ اس کام کے لیے اب انھیں موزوں آدمی مل گیا۔"[۵۸] خط کشیدہ جملے غور طلب ہیں۔

---

۵۷ بحوالہ دینِ الٰہی اور اس کا پس منظر۔ ۵۸ منتخب التواریخ۔ ج ۲۔ ص ۳۴۳۔ اردو ترجمہ۔

متکبر اور مغرور مُلاؤں سے بدایونی کی مراد شیخ الاسلام عبد اللہ سلطان پوری اور صدر الصدور شیخ عبد النبی ہیں کیوں کہ وہی تمام علما میں سب سے زیادہ با اثر تھے اور متکبر اور مغرور بھی، جن کے بارے میں بدایونی نے "مُلایانِ فرعون صفت" لکھا ہے۔ اکبر کو بجا طور پر پیش آمدہ حالات کے تحت بدایونی سے یہ توقع ہوسکتی تھی کہ وہ ان کی سرکوبی کرے گا کیوں کہ وہ عبادت خانے کے مباحث میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا کرتا تھا۔ شیخ ابراہیم سرہندی کے سلسلے میں اس نے ایک جگہ خود اس بات کا اظہار کیا ہے۔ یقیناً ابوالفضل کی ذات میں اکبر کو اپنی مقصد براری کی صلاحیت بدایونی سے زیادہ نظر آئی ہوگی کیوں کہ وہ بہت اعلیٰ صلاحیتوں کا انسان تھا۔ بدایونی کے رقم کردہ جملوں سے قارئین بخوبی اس کا مافی الضمیر سمجھ سکتے ہیں۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ بدایونی نے ان متذکرہ علما کے کردار کی مکروہ شکل دکھائی ہے؟ پھر یہاں کس طرح سمجھا جائے کہ وہ ان کی "سرکوبی" کے لیے عملاً تیار نہ تھا؟

جناب محمد اسلم صاحب ابوالفضل کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں: "جہاں تک شیخ مبارک کا تعلق ہے ہم یہ ثابت کرچکے ہیں کہ شیعہ تھا۔ لیکن جہاں تک ابوالفضل کی ذات کا تعلق ہے وہ ملحد تھا اس کی اپنی تحریروں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کی زندگی میں ہی اس پر فتوے لگنے شروع ہوگئے تھے۔ ابوالفضل فطرتاً الحاد کی طرف مائل تھا اور ایک بار اس نے باتوں باتوں میں بدایونی سے کہا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ چند روز وادیٔ الحاد کی سیر کروں۔ بدایونی نے کہا کہ اگر نکاح کی قید اٹھا دو تو پھر اس سیر کا لطف دوبالا ہوجائے گا۔ اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ابوالفضل کے دل میں اسلام کے متعلق شکوک پیدا ہوچکے تھے اور فزادہم اللہ مرضاً کے مصداق یہ شکوک وشبہات بڑھتے گئے اور آخر کار وہ مبداء و معاد کا انکار کرکے ملحد ہوگیا۔"[۹] قارئین میرے پیش کردہ شواہد کی روشنی میں بہ آسانی فیصلہ کرسکتے ہیں کہ محمد اسلم صاحب کی رائے کہاں تک درست ہے۔ میں نے بھی ابوالفضل کی تحریروں ہی سے استنباط کیا ہے۔ کیا فتویٰ لگنا کسی کے ملحد ہونے کا قطعی ثبوت ہے؟ اگر یہ کلیہ ہے تو اکابر شیوخ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہوسکتے۔

---

۹ دین الٰہی اور اس کا پس منظر، ص ۱۷۳۔